© rasailojaraid.com

ابوالکلام آزاد

سرمد شہیدؒ

آنانکہ غم تو برگزیدند ہمہ در کوے شہادت آرمیدند ہمہ
درمعرکہ دوکون فتح ازعشق است با آنکہ سپاہ او شہید ند ہمہ

عہدِ عالم گیری میں اور اس کے بعد جس قدر فارسی تذکرے لکھے گئے ہیں، اُن میں بالعموم سرمد کے عنوان سے چند سطریں ملتی ہیں، لیکن اول تو قدیم تذکروں کے حالات اس قدر مختصر اور ناکافی ہوتے ہیں کہ اگر زندگی میں ان کے نام خطوط لکھے جاتے تو لفافے کے لیے پورا پتا بھی میسر نہ آتا۔ اور پھر جو کچھ ہوں دِقت یہ ہے کہ وہ اس وقت سامنے نہیں۔ مَیں نے عہدِ عالمگیری کی تاریخوں کو دیکھا کہ شاید حوادث و واقعات کے ضمن میں کچھ حالات مل جائیں، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ پولیٹیکل عاقبت اندیشوں نے قلم کو روک لیا تھا۔ مرزا محمد کاظم نے عالم گیر کے حکم سے تمام سوانح و حالات بقید سنین قلم بند کرنے شروع کیے، لیکن صرف دس سال ہی کے حالات لکھے تھے کہ حکماً یہ سلسلہ بند کر دیا گیا۔ اس کے بعد شاہ عالم کے عہد میں نواب عنایت اللہ کو خیالِ تکمیل ہوا۔ اس کے اشارے سے مستعد خاں نے بقیہ ۴۰ سال کے سوانح قلم بند کیے اور ابتدائی دہ سالہ مجموعے کا انتخاب شامل کر کے مآثر عالمگیری نام رکھا۔ مَیں نے ۱۰۷۰ھ کے حالات کی ورق گردانی کی کہ یہی سرمد کی شہادت کا سن ہے۔ مگر حالات کا ملنا تو ایک طرف، معلوم ہوتا ہے کہ پوری مستعدی کے ساتھ تاریخ کے صفحوں کو بچایا گیا ہے کہ اس شہیدِ عشق کے جامۂ خونچکاں کے قطرہ افشانی سے حاشیہ پر کہیں دھبے نہ پڑ جائیں، لطف یہ کہ اسی سال شاہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عباس ثانی اور حسین پاشا رومی (غالباً والی حجاز) کے سفراء آئے تھے۔ ان کے حالات کی سطریں صفحے کی انتہا تک پہنچ کر بھی آگے بڑھنے سے نہیں رکتیں، خیر یہ حالات بھی کچھ نہ کچھ اہمیت رکھتے تھے۔ طرہ بریں یہ کہ اس سال نواحِ دہلی میں کہیں چندلڑ کے شاہ و وزیر کی نقل کھیل رہے تھے، ان میں ایک کوتوال اور ایک مجرم بھی تھا۔ مصنوعی کوتوال نے غیظ وغضب میں آکر مصنوعی مجرم کو اصلی سزا دے دی، نصف صفحے کے قریب اس حادثۂ عظیم اور داستانِ الم کی نذر کیا گیا۔ مورخ کی نظر کا جب یہ حال ہو، تو ظاہر ہے کہ ایسے قصوں کے ہجوم میں سرمد بے چارے کی نعش کیوں کر نظر آتی۔

خافی خان کی منتخب اللباب عہد مغلیہ کی مشہور ترین تاریخ ہے۔ جس نے اورنگ زیب کے حالات اس تفصیل سے لکھے ہیں گویا صرف یہی زمانہ موضوع کتاب ہے۔ قیاس کہتا تھا کہ اس نے یہ واقعہ نظرانداز نہ کر دیا ہوگا، کیوں کہ عالمگیری عہد کا قلم اس کے ہاتھ میں نہ تھا۔ جس کو ہر قدم پر روک لیے جانے کا اندیشہ ہو۔ مگر جب اسے کھولا تو ہزار صفحے کے سوانح میں ایک لفظ بھی سرمد کی نسبت نہ تھا۔ سچ یہ ہے کہ دُنیا کا سب سے بڑا راز مورخ کا قلم ہے۔ آج کون کہہ سکتا ہے کہ اس کی باگ میں کتنی گرہیں ڈال دی گئی تھیں۔

سرمد کی شہادت کا وہی سنہ ہے، جس سنہ میں کوچ بہار اور آسام پر چڑھائی کی گئی، اس لیے دونوں تاریخوں نے اس سال کے حالات کا نصف حصہ اسی فتح یابی کی داستان سرائی میں صرف کر دیا۔ فتح آسام کی اہمیت کے بیان میں شک نہیں مگر مستعد خاں کو کیا معلوم تھا، کہ تماشا گاہ عالم میں ایسی آنکھیں بھی ہیں جو اس شادمانی فتح پر غلط انداز نظر نہ ڈالیں گی مگر اس غم اثر شکست پر ہمیشہ خونچکاں رہیں گی جو ایک مجنون لیلائے حقیقت کو دار پر کھینچ کر معرکۂ حق پرستی میں عالم گیر کو نصیب ہوئی۔

قصہ مختصر بایں ہمہ دو کتابیں ایسی پیشِ نظر ہیں جن سے زیادہ ترمعتبر راوی سرمد کے لیے نہیں ہو سکتے۔ پہلا شخص شیر خاں لودھی (مصنف مرأۃ الخیال) ہے جو بغیر کسی واسطے کے عالمگیری عہد کے واقعات لکھتا ہے، کیوں کہ اسی عہد کا تذکرہ نویس ہے۔ اس کا تذکرہ مرأۃ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الخیال میرے پاس ہے۔ دوسرا شخص علی قلی خاں داغستانی عہد محمد شاہ کے امراء میں سے ہے۔ جس نے نہایت تفحص واحتیاط سے شعرائے فارسی کا تذکرہ ریاض الشعراء مرتب کیا۔ اس کا قلمی نسخہ مصنف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتب خانے میں موجود ہے، اور زیادہ تر حالات میں نے اسی سے لیے ہیں۔ یہ گو عہد محمد شاہ میں لکھا گیا ہے، لیکن سرمد کے حالات کے لیے ایک واسطے سے زیادہ دُور نہیں۔ اس کے علاوہ تمام تذکروں نے جو کچھ لکھا ہے ذہن میں کچھ نہ کچھ تو محفوظ ہے۔ ایشیاٹک سوسائٹی میں ایک بیاض قلمی عہدِ عالمگیر ثانی کے کسی خوش مذاق شاعر سراج الدین سراج کی جمع کی ہوئی ہے، اس میں کہیں کہیں حالات بھی دیے ہیں۔ غرض کہ گلدستہ تو بنا مگر چند پتوں اور پنکھڑیوں کو دامن میں لے لیا ہے کہ مشہد سرمد میں جاؤں تو خالی ہاتھ کیا جاؤں۔

سرمد کی قومیت اور مذہب:

سرمد کی اصل قومیت اور مذہب کو کوئی صاف نہیں بتلاتا۔ مصنف مرآۃ الخیال کا بیان ہے کہ ''اصلش از فرنگستان وارمنی بود'' مگر باقی تذکرے یہودی الاصل بتلاتے ہیں۔ والہ داغستانی اس پر اتنا اور بڑھاتا ہے کہ وطن کاشان تھا۔ مگر یہ اختلاف باہم متناقض نہیں، کیوں کہ ایران میں قدیم سے ارمنیوں کی وسیع آبادی موجود ہے جو بالعموم مسیحی اور بعض بعض یہودی ہیں۔ اب تو اُنھوں نے یکسر یورپین طرزِ معاشرت اختیار کر لی ہے، اور تحصیلِ علومِ جدیدہ میں تمام ایرانی جماعتوں سے پیش رو ہیں۔ ایک صدی پیشتر تک ان میں مذہب کے سوا کوئی بات مسلمانوں سے مختلف نہ تھی، ان میں سے بعض اسلامی علوم و آداب کو اس حد تک حاصل کرتے تھے کہ مسلمانوں کی تعلیم یافتہ صحبت میں شریک ہو سکتے تھے، چناں چہ تذکروں میں متعدد شعرا کے حالات ملتے ہیں جو ارمنی اور مسیحی تھے مگر ان کے اشعار ایران کے مسلمان خوش گو شعرا سے کسی طرح کم نہیں۔ سرمد کا خاندان بھی ارمنی اور یہودی ہوگا۔ کاشان میں متوطن ہوں گے، ارمنی ہونے کی وجہ سے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا ہوگا کہ فرنگی ہے، اور باہر کے غیر معروف آدمی کی نسبت ایسا دھوکا ہونا کچھ عجیب نہیں۔

آفتاب جب چمکتا ہے تو باغ و چمن کو نہیں ڈھونڈتا کہ اپنی کرنوں کا انھیں نشیمن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بناؤں۔ اس کا فیضان ضوبخش مبدء فیاض کی طرح فیض عام ہے۔ محل سرائے شاہی کے کنگروں کے طلائی کلس اگر اس کی ضوفشانی سے چمک اٹھتے ہیں تو کیا جنگل کے خشک درختوں کی شاخوں پر سنہری رنگ نہیں چڑھ جاتا؟ مَیں کیا کہہ رہا ہوں! میرا مقصد نظامِ شمسی کے مرکز سے نہیں بلکہ آفتاب اسلام سے ہے۔ اس اوقیانوس تجلی کی لہریں اُٹھیں تو اُنھوں نے پہلے تو جسم وخون اور قوم ومرزبوم کے قائم کیے ہوئے امتیازات کو خس دخاشاک کی طرح بہا دیا۔ پھر سیرابی کا وقت آیا تو احرار قریش اور ارقاے حبش (حبشی غلام)، بطحا و یثرب اور عرب و فرنگ، تاج دار غستان و بادیہ نشین عرب، ادنیٰ و اعلیٰ، نزدیک و دُور سب کو یکساں طور پر شریکِ فیض کیا۔ صرف صلاحیت اور اثر پذیری معیارِ فیض رسانی تھی کہ ہر قوم اور ہر زمین بقدر صلاحیت حصہ یاب ہوئی، بوجہل قریشی تھا اور خزانے کے پاس مگر مدت العمر محروم رہا۔ بلال حبشی اور صہیب رومی تھے۔ پھر کس قدر دُور۔ مگر ان کے دامن دیکھیے تو مالا مال تھے۔ ابرِ کرم کہاں نہیں برستا؟ مگر ہر زمین لالہ زار نہیں بن جاتی۔

توفیق باندازۂ ہمت ہے ازل سے
آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا

یہ اسی فیاضانہ فیض بخشی کا نتیجہ تھا کہ عرب گو مبداء و منشاء اسلام تھا۔ مگر اس کی کوئی خصوصیت نہیں رہی۔ نومسلم قومیں جو دور دراز ملکوں سے آئی تھیں ہر علم وفن میں اس طرح دست برعلم ہوئیں کہ خود عرب کو ان کے لیے اپنی صفیں توڑ دینی پڑیں یہاں تک کہ آج تراجم و رجال کی کتابیں اُٹھا کر دیکھتے ہیں تو کوئی علم وفن ایسا نظر نہیں آتا جس پر نومسلم قوموں کا تسلط نہ ہو۔ حتیٰ کہ فقر و تصوف جس کی مذہب کے سائے میں پرورش ہوئی ہے، اس کی تاریخ بھی نومسلم اشخاص کی خود فروشیوں کی منت پذیری سے آزاد نہیں، بات یہ ہے کہ خدا کی محبت کی طرح اسلام کی بے دریغ فیض بخشی بھی اس طرح عام تھی کہ نسب وقومیت کے امتیازات کو اس میں دخل نہ تھا۔ سرچشمۂ فیضان الٰہی تشنگانِ محبت کو ڈھونڈتا ہے، نسب وقومیت اور رنگ وخاندان سے اسے کیا سروکار؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس عام فیض بخشی کی ایک نمایاں نظیر سرمد کی سوانح عمری بھی ہے، وہ ایران کے کسی ارمنی خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور مذہباً یہودی یا مسیحی تھا۔ آغازِ عمر ہی میں فیضانِ الٰہی کی نظر انتخاب اس پر پڑی، اور جذبِ ہدایت کی کشش نے مشرف باسلام کیا۔

خاندانی نام:

خاندانی نام کا پتا نہیں چلتا اور نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ قبولِ اسلام کے بعد کیا نام رکھا گیا۔ عام طور پر صرف سرمد ہی کے لقب سے تذکروں میں ذکر کیا گیا ہے اور سچ یہ ہے کہ سرمد کا بے نام ہونا جائے تعجب نہیں۔ کیوں کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی شرع میں بے نام ونشان رہنا تو رکن اولین بلکہ شرطِ ایمان ہے۔

باوجودت زمن آواز نیامد کہ منم

لیکن بعض تذکروں میں ''سعیدائے سرمد'' کے عنوان سے اس کے حالات درج کیے گئے ہیں۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ اسلامی نام کا ایک جزو شاید لفظ سعید ہوگا جو بقاعدۂ تخفیف تخلص کے ساتھ مشہور ہوگیا۔

تحصیلِ علمی:

تحصیلِ علمی کا حال معلوم نہیں، لیکن تذکرے متفق اللفظ ہیں کہ علم وفضل اور عربیت میں درجۂ کمال رکھتا تھا، اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ تحصیلِ علمی اس زمانے کے نصاب کے مطابق کامل ہوگی۔

ابتدائی پیشہ:

ابتدائی پیشہ تجارت تھا۔ ایران سے تجارتی اموال لے کر ہندوستان کی طرف بڑھا، اس زمانے میں علم وفن کی طرح جنس ومتاع کی بھی نمایش گاہ ہندوستان تھا۔ مگر یہ جوان تاجر جو بے خبر ہندوستان کی طرف قدم زن تھا، نہیں جانتا تھا کہ وہاں پہنچ کر کس تجارت میں اپنا تمام سرمایہ لگا دینا پڑے گا۔ وہ شاید ایرانی مصنوعات فروخت کر کے ہندوستان کی قیمتی اجناس اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محسود عالم کانوں کے لعل والماس خریدنا چاہتا تھا۔لیکن اسے معلوم نہ تھا کہ قضا وقدر اس کے خلاف فیصلہ کر چکی ہے۔تجارت تو اسے بہرحال آخر حیات تک کرنا پڑے گی مگر زخارف مادی کی تجارت گاہوں میں نہیں، بازارِحسن وعشق میں جہاں سونے چاندی کی جگہ دل صد پارہ اور جگر صد زخم کا سکہ رائج ہے اور جہاں کی تجارت یہ ہے کہ صبر وشکیب، ہوش وخرد اور دل وجگر دے کر ایک غلط اندازِ نظر، ایک چین بجبیں، ایک تغافل پیشہ نگاہ خرید لیجیے کہ اس سہل قیمت پر یہ متاع بالکل مفت ہے۔

صد ملک دل بہ نیم نگہ می تواں خرید
خوباں دریں معاملہ تقصیر می کنند

اورصرف اتنا ہی نہیں کیوں کہ یہ تو اس بازار کی نمایشی اور سامنے کی چہل پہل ہے، اگر ہمت قدم آگے بڑھائے تو پھر وہ آخری سودا بھی کرنا پڑے گا۔جس کی قیمت نقدِ جان ہے۔ اور جس میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ حیات کا لبریز پیمانہ خون شہادت کے ایک لبریز جام سے بدل دیا جاتا ہے اور 'دشمن بخش' کے معاوضہ میں یوسف ملے تو کون خیرہ نظر ہے جو اس متاع کا مشتری نہ ہو۔

دو عالم نقد جاں بر دست دارند
بباز اے، کہ سودائے تو باشد

اس زمانے میں ایرانی سیاح عموماً سندھ ہوکر ہندوستان آتے تھے،سندھ کے شہروں میں ٹھٹھ ایک مشہور شہر تھا۔جس کو اب نئے جغرافیہ میں گمنامی کا خانہ نصیب ہوا ہے! یہی ٹھٹھ وہ سینائے مقدس تھا جو سرمد کے لیے تجلّی گاہ ایمن بنا اور لیلائے حسن نے اوّل اوّل اپنے چہرے سے نقاب اُلٹی، کہتے ہیں کہ ایک ہندو لڑکا تھا۔جس کی چشم کافر نے یہ افسوس طرازی کی اور ایسا ہونا کچھ مستبعد نہیں۔ کیوں کہ عشق خیز دلوں کو دو نیم کرنے میں بخیہ گر کی سوئی اور جلاد کی تیغ دونوں برابر ہیں، یہاں تجارت میں خریدار عموماً بے پروا و بے نیاز مگر صاحب جنس غرض مند ہوتا ہے۔ پھر جو لوگ اپنے دلوں کو ہاتھوں پر بطرزِ نذر رکھے ہوئے خریدار ڈھونڈتے ہوں انھیں تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حق ہی نہیں کہ خریدار میں خاص اوصاف کے طالب ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سادہ لوح ایرانی تاجر بھی متاعِ دل کی کسمپرسی سے تنگ آ گیا تھا اور خود خریدار کو بیتابانہ ڈھونڈھ رہا تھا۔ جب خریدار مل گیا تو نظر اُٹھا کے دیکھا تک نہیں کہ کون ہے اور کیا لے کے آیا ہے؟ اسی کو غنیمت سمجھا کہ دل جیسی متاع ارزاں کی ایک چشم سحر کار طالب ہے اور بلا تامل یہ سودا منظور کر لیا۔

دلال عشق بود و خریدار جانستان
خود را فروختیم چہ سودا بما رسید

سرمد کو آیندہ جس صحرا میں بادیہ پیمائی کرنی تھی، یہ اس کی طرف پہلا قدم تھا۔ اور کچھ سرمد ہی کی خصوصیت نہیں، عشق خواہ کسی عنوان سے ہو منزل حقیقت کا ہمیشہ سے پہلا قدم ہے۔ عشق تو وہ دروازہ ہے کہ جس سے گزرے بغیر انسان انسان نہیں ہوسکتا جس کے دل وجگر میں ٹیس اور آنکھوں میں تری نہیں اس کو معنیٔ انسانیت سے کیا واسطہ؟ تم نے اکثر دیکھا ہوگا کہ زاہد معتکف بھی با ایں ہمہ تعبس وتقشّف جب اپنے زاویۂ عبادت میں سر بزانو ہوتا ہے تو حور وغلمان کی مسکراہٹ سے لطف لیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یعنی جو خشک دماغ مسجد کے گوشوں اور حجروں میں دوست کو ڈھونڈھتے ہیں، انہیں بھی اس تصور کے بغیر چارہ نہیں۔

حور و جنت جلوہ بر زاہد دہد در راہ دوست
اندک اندک عشق درکار آورد بیگانہ را

یہی وجہ ہے کہ جو سوختہ جان حقیقت شاہد ازلی کے جاندادہ ہیں، اُنھیں بھی عشقِ مجازی کے کوچوں میں در و دیوار سے سر ٹکراتے دیکھا گیا ہے، کیوں کہ دِل جب تک لذت آشنائے درد نہ ہو برف کی ایک قاش ہے جس کو پانی بنتے دیکھا ہے۔ مگر برف آگ میں جلتے ہوئے کبھی نظر نہ آئی، حالانکہ انسانیت کا مفہوم یکسر سوز وگداز ہے، اور عشق کا کلیسا، آتش کدہ ہے، یہاں وہی آتش طلب قدم رکھ سکتے ہیں جو اپنے دلوں کو اس آتش کدے پر نذر چڑھا دیں اور پھر دامن سے ہوا بھی دیتے جائیں کہ کہیں شعلوں کی بھڑک کم نہ ہو جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

افسردہ را نصیب نباشد دل کباب
آں یابدایں نوالہ کہ مہمان آتش ست

عشقِ الٰہی کی پہلی شرط یہ ہے کہ ماسوا کی طرف سے آنکھیں بند کر لی جائیں۔ مگر انسان آب وگل کے تعلقات میں اس طرح پا بہ گل ہے کہ جب تک، دلِ پُر درد کو کوئی محکم چوٹ نہ لگے اُدھر سے ٹوٹ نہیں سکتا۔ مکھی جب شہد پر بیٹھ جاتی ہے تو جب تک اُڑا یئے نہیں، نہیں اُڑتی۔ انسان کا دل بھی جب تک چوٹ نہ کھائے دُنیا کی لذتوں کو نہیں چھوڑتا۔ یہ چوٹ صرف عشق ہی کے ہاتھوں لگ سکتی ہے۔ عشق کا فرشتہ اپنے بازوؤں میں وہ مافوق الفطرت طاقت رکھتا ہے کہ اس کی تیغ کا پہلا ہی وار خون کے تاروں سے بندھے ہوئے رشتوں اور دُنیا کی دل فریبیوں کی جکڑی ہوئی زنجیروں کو دو ٹکڑے کر دیتا ہے، اور دل جب ہر قسم کی بندشوں سے آزاد ہو کر اپنے آپ کو دیکھتا ہے تو حلقۂ ازل کے سوا اور کوئی بیڑی پاؤں میں نہیں ہوتی۔

اسی درد کے لیے عارف عطار بے قرارانہ وفغاں ساز ہے کہ:

کفر کافر را و دیں دین دار را
ذرۂ دردے دل عطار را

غور کرو جس مردہ دل کو کبھی یہ وقت خوش نصیب نہ ہوا کہ کسی بندِ نقاب کے ٹوٹنے کے تصور میں اپنے خرمنِ ہوش وحواس پر بجلیاں گرائے، اس کو شاہد حقیقت کا نظارہ حواسِ ظاہری سے کب ہوسکتا ہے؟ جس افسردہ تنفس نے اپنی عزیز اور شیریں راتیں کسی نرگس خواب آلود کی یاد میں نہ کاٹی ہوں، اس کو معشوقِ حقیقی کی یاد میں بے چین راتیں کب نصیب ہوسکتی ہیں؟ جس خیرہ دماغ نے اپنے سرمایۂ عجز و نیاز کو کسی مغرور ناز کی کج ادائیوں اور بے نیازیوں پر نثار نہ کر دیا ہو وہ خود پسندی اور خود آرائی کے بت کیوں کر توڑ سکتا ہے؟ جس بے حس کو کسی پیکرِ حسن کی صدائے شیریں نے مبہوت و لایعقل نہ کر دیا ہو۔ اس کو سازِ ازل کی نغمہ سرائی پر کیوں کر وجد آئے؟ غرض کہ جس بدنصیب کو کسی مست حسن کی نگاہِ بے محابا بے خود نہ کر سکی۔ اسے جلوۂ طور پر کیوں غش آنے لگا؟ جو فتیلہ پہلے جل چکا ہو وہ فوراً آگ پکڑ لیتا ہے۔ لیکن نئے فتیلہ کو بہت دیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تک آگ دکھلائی پڑتی ہے۔

محبت بادلِ غم دیدہ الفت بیشتر گیرد
چراغے را کہ دودے ہست در سر زود تر گیرد

نظریں اگر جویائے حسن ہیں تو روے پنہاں کے نظارے کی کیوں منتظر ہیں؟ انھیں تو پردۂ نقاب کی زیبائی ہی پر لوٹ جانا چاہیے۔ کنعان کی گم کردہ پسر آنکھوں نے جلوہ یوسفی کا انتظار نہیں کیا۔ پیراہنِ یوسفی کی بو پاتے ہی آنکھیں کھل گئیں۔ اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْ لَا اَنْ تُفَنِّدُوْنَ۔ یہی وجہ ہے کہ مے خانۂ حقیقت میں جب مجلس گرم ہوتی ہے تو پہلے جام و مینا کا دَور چلتا ہے۔ اور جب اس کے تلخ گھونٹ گورا ہو جاتے ہیں تو پھر خود ساقی اپنے چہرے سے نقاب اُلٹ دیتا ہے کہ اب جام وسبو کی ضرورت نہیں، اس کی نگاہ نشہ خیز سے، خود رفتگی وخود گزشتگی حاصل کیجیے۔

مے حاجت نیست مستیم را
در چشمِ تو تا خمار باشد

سرمد کے آگے بھی یہ جام رکھا گیا اور جام کی خوبی بہت کچھ جام پیش کرنے والے ہاتھ کی رعنائی پر منحصر ہے۔ اس لیے ہم اس ہندو لڑکے کو بھولنا نہیں چاہتے۔ جس کی نگاہ لیلیٰ روش نے سرمد کو مجنوں بنایا۔ مگر افسوس کہ ہر عاشق قیس وفرہاد کی قسمت کہاں سے لائے؟ سرمد کے لیلیٰ کا زیادہ سے زیادہ جو حال معلوم ہوتا ہے، یہی ہے کہ ایک ہندو لڑکا تھا اور غور کیجیے تو یہ بھی بہت ہے کیوں کہ بازارِ عشق میں جب سودا چکایا جاتا ہے تو کب یہ دیکھا جاتا ہے کہ خریدار کون ہے اور کیا قیمت مل رہی ہے؟

مرا فروخت محبت ولے نمی دانم
کہ مشتری چہ کس است و بہاے ما چند است

اربابِ تذکرہ اس میں بھی ہم آہنگ نہیں کہ یہ واقعہ کہاں ہوا؟ والہ داغستانی لکھتا ہے کہ بندر سورت میں، اور آزاد بلگرامی نے اپنے کسی تذکرے میں عظیم آباد پٹنہ لکھا ہے۔ لیکن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان سب میں مرأۃ الخیال قدیم العہد ہے اور اس کا بیان ہے کہ ''دراثنائے تجارت بشہر تتہ افتاد۔ بر ہندو پسرے عاشق گشت'' اس لیے ہم نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ بہرکیف بجلی کہیں گری ہو۔ دیکھنا یہ ہے کہ دہقان کے خرمن سوختہ کا کیا حال ہوا؟

عشق کی شورش انگیزیاں ہر جگہ یکساں ہیں، ہر عاشق گوقیس نہ ہو، مگر مجنوں ضرور ہوتا ہے، اور جب عشق آتا ہے تو عقل وحواس سے کہتا ہے کہ میرے لیے جگہ خالی کردو۔ سرمد پر بھی یہی حالت طاری ہوئی اور جذب وجنون اس طرح چھایا کہ ہوش وحواس کے ساتھ تمام مال و متاعِ تجارت بھی غارت کر دیا۔ دنیوی تعلقات میں سے جسم پوشی کی بیڑی باقی رہ گئی تھی۔ بالآخر اس بوجھ سے بھی پاؤں ہلکا ہوگیا کہ پابندیاں تو مدعیان ہشیاری کے لیے ہیں۔ مجنون لایعقل مرفوع القلم ہوتے ہیں۔

خطا، بمردم دیوانہ کس نمی گیرد
جنوں نداری و آشفتۂ خطا ایں جاست

بیابان نوردی:

بیابان نوردی عالمِ عشق کی سیر وسیاحت ہے کہ اسی سے انسان کی عقل تجربہ کار و پختہ ہوتی ہے۔ ''مجنوں'' جو صف عشاق میں نمایاں نظر آتا ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ صحرا گردی میں کوئی اس کا حریف نہیں، سرمد نے بھی مدتوں صحرا کی خاک چھانی، سندھ کے ریگ زاروں سے تلوے گرم کیے، ہندوستان کے گرم وسرد موسموں کو یکساں عریانی میں کاٹ دیا۔ اور بالآخر جب یہ عقدہ کھلا کہ:

بیہودہ چرا در طلبش می گردی؟
بنشیں! اگر او خداست خود می آید

تو پھر ایک مستقر کی تلاش ہوئی، جہاں بیٹھ کر عشق کے آخری امتحان کا انتظار کیا جائے۔ لیکن جب نتیجہ یہی تھا تو پھر یہ بیابان نوردی کیوں تھی؟ مگر نہیں خود کہہ چکا ہوں کہ یہ بھی عشق کے قانونِ کمال میں داخل ہے، اور عشق کے قانون میں استثنا نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یکے از دستگیری ہاے عشق است

عزیزاں را بہ خواری برکشیدن

یہ وہ زمانہ تھا کہ عنقریب بساطِ ہند پر عالم گیر ایک نئی چال چلنے والا تھا۔ شاہ جہانی حکومت کا آخری عہد اور شہزادہ داراشکوہ ولی عہد سلطنت تھا، سلسلۂ مغلیہ میں داراشکوہ ایک عجیب طبیعت و دماغ کا شخص گزرا ہے، اور ہمیشہ افسوس کرنا چاہیے۔ کہ تاریخِ ہند کے قلم پر اس کے دشمن کا قبضہ رہا۔ اس لیے اصلی تصویر پولٹیکل چالوں کے گرد و غبار میں چھپ گئی، وہ ابتدا سے درویش دوست اور صوفیانہ دل و دماغ کا شخص تھا اور ہمیشہ فقراء اور اربابِ تصوف کی صحبت میں رہتا تھا۔ اس کی بعض تحریرات جو دست بُردِ حوادث سے بچ گئی ہیں، بتلاتی ہیں کہ ان کا لکھنے والا بھی ذوق و کیفیت سے خالی نہیں، اس کے صاحب ذوق ہونے کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ تلاشِ مقصد میں دیر و حرم کی تمیز اُٹھا دی تھی، اور جس نیاز کیشی کے ساتھ مسلمان فقراء کے آگے سر جھکاتا تھا، ویسی ہی عقیدت ہندو درویشوں سے بھی رکھتا تھا۔ اس اصول سے کون صاحبِ حال اختلاف کرسکتا ہے۔ کیوں کہ اگر اس عالم میں بھی کفر و اسلام کی تمیز ہو تو پھر اعمیٰ اور بصیر میں کیا فرق باقی رہ گیا ہے؟ پروانے کو تو شمع ڈھونڈنی چاہیے، اگر صرف شمع حرم ہی کا شیدا ہے تو سوز طلبی میں کامل نہیں۔

عاشق ہم از اسلام خرابست و ہم از کفر

پروانہ چراغ حرم و دیر نداند!

سرمد جوشِ جنوں میں پھرتا ہوا جب شاہ جہاں آباد (دہلی) پہنچا تو قضا نے اشارہ کیا کہ قدم روک لیے جائیں۔ کیوں کہ جس جام کی تلاش ہے وہ اسی مے خانہ میں ملے گا۔ مصنف مراۃ الخیال جو عالمگیر پرستی کے معبد میں صف اوّلین کا طالب ہے لکھتا ہے:-''چوں خاطرِ سلطان داراشکوہ بجانب مجانین میل داشت صحبت بوے در گرفت'' بے چارہ علی شیر[ا] بھی ہوشیاری و دیوانگی ہی کی بحث میں سرمار رہا ہے۔ اسے کیا خبر کہ دُنیا میں ایسی ترازو بھی ہے جس

[ا] مصنفِ مراۃ الخیال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ایک پلّے میں اگر دیوانگی رکھ دی جائے تو دوسرا پلہ تمام عالم کی ہوشیاری رکھ دینے سے بھی نہیں جھک سکتا، اور پھر ایسے خریدار بھی ہیں جن کو اگر ہوش وحواس کا تمام سرمایہ دے دینے سے ایک ذرّہ جنون مل سکتا ہو، تو بازارِ یوسف کی طرح ہر طرف سے ہجوم کریں۔ بہر کیف خواہ کچھ ہو عالم گیر کی ہوشیاری سے تو ہمیں داراشکوہ کی دیوانگی اور جنون دوستی ہی پسند آتی ہے، کہ وہاں تو تیغِ ہوشیاری کشتگان حسرت کے خون سے رنگین ہے، اور یہاں خود اپنے جسم کی رگ ہائے گردن سے خون کی نالیاں بہہ رہی ہیں، شاید داراشکوہ بھی عالم گیر جیسے ہوشیاروں کی ہوشیاری سے تنگ آ گیا تھا۔ اسی لیے اس نے سرمد جیسے مجانین کی صحبت کو ہوش والوں کی مجلس پر ترجیح دی۔

غرضیکہ سرمد داراشکوہ کی صحبت میں رہنے لگا، اور اسے بھی سرمد سے کمالِ عقیدت تھی۔ اس زمانے میں عشق کی شورش انگیزیاں کبھی کبھی اسے باہر نکلنے پر مجبور کرتیں، لیکن چوں کہ معلوم ہو چکا تھا کہ آخری امتحان گاہ یہی ہے۔ اس لیے شاہ جہاں آباد سے نکل نہیں سکتا تھا، یہاں تک کہ شاہجہاں کی علالت اور داراشکوہ کی نیابت نے عالمگیری ارادوں کے ظہور کا سامان کر دیا، اور ایک عرصے کی شورش اور خوں ریزی کے بعد ۱۰۶۹ھ میں عالمگیر اورنگ زیب تخت نشینِ حکومت ہوا۔ یہ زمانہ داراشکوہ کے ساتھیوں اور ہم نشینوں کے لیے خود داراشکوہ سے کم مصیبت انگیز نہ تھا۔ بہت سے لوگ تو داراشکوہ کے ساتھ نکل گئے، اور جو رہ گئے اُنھوں نے اپنے آپ کو کشتیٔ طوفان میں پایا۔ لیکن اس رہین بے خبری کو اپنے استغراق میں اس کی فرصت کہاں ملتی تھی کہ دُنیا کو نظر اُٹھا کے دیکھے۔ اور اگر دیکھتا بھی تو وہاں سے کیوں کر نکلتا۔ کیوں کہ بایں ہمہ بے خبری اس سے بے خبر نہ تھا کہ اب تک جو کچھ ہوا ہے عشق کی ابتدائی منزلیں تھیں۔ آخری منزل طے کرنی باقی ہے، اور وہ یہیں پیش آنے والی ہے۔

بیک دو زخم کہ خوردن ز عشق ایمن مباش
کہ در کمیں گہ ابرو کماں کش ست ہنوز

سرمد کی شہادت:

سرمد کی شہادت کے اسباب تذکرہ نویسوں نے مختلف بتلائے ہیں، تذکرہ ”مرأۃ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الخیال‘‘ میں ہے کہ سرمد کی اس رباعی پر جبہ پوشان شرع کے کان کھڑے ہوئے، اور انھوں نے اسے کفر قرار دیا کہ معراج جسمانی سے انکار لازم آتا ہے۔

ہر کس کہ سر حقیقتش پادر شد او پہن تراز سپہر پہنا در شد
ملّا گوید کہ برفلک شد احمدؐ سرمد گوید فلک بہ احمدؐ در شد

مگر اس ترک سادہ کو فقیہانہ جنگ و جدل سے کیا سروکار تھا، اس نے نظر اُٹھا کے دیکھا تک نہیں کہ یہ کور بصر کیا شور و غوغا کر رہے ہیں؟ وہ تو اس عالم میں تھا، جہاں ان اقرار و انکار کی بحثوں کی آواز بھی نہیں پہنچ سکتی۔

در عجایب ہاے طور عشق حکمتہا کم است
عشق را با مصلحت اندیشیٔ مجنوں چہ کار

لیکن اصل بات یہ ہے کہ عالمگیر کی نظروں میں تو سرمد کا سب سے بڑا جرم داراشکوہ کی معیت تھی اور وہ کسی نہ کسی بہانے قتل کرنا چاہتا تھا۔ ایشیا میں ہمیشہ پالٹیکس مذہب کی آڑ میں رہا ہے، اور ہزاروں خونریزیاں جو پولٹیکل اسباب سے ہوئی ہیں۔ انھیں مذہب کی چادر اوڑھا کر چھپایا گیا ہے۔ جب کوئی اور بہانہ نہ ملا تو عریانی و برہنگی کو کہ خلاف رسم شرع ہے بنیاد قرار دیا اور مذکورہ بالا رباعی سے نتیجہ نکالا کہ معراجِ جسمانی کا منکر ہے۔ ملا قوی اس زمانے میں قاضی القضاۃ تھے۔ عالمگیر نے انھیں سرمد کے پاس بھیجا کہ برہنگی کی وجہ دریافت کریں۔ ملا صاحب نے کہا کہ باوجود کمالِ علم و کمال وفضل برہنہ ومکشوف العورات رہنا کسی عذر پر مبنی ہے۔ سرمد نے کہا کیا کروں شیطان قوی ہے۔ اور فی البدیہہ یہ رباعی پڑھی۔

خوش بالاے کردہ چنیں پست مرا
چشمے بدو جام بردہ از دست مرا
او در بغل من ست و من در طلبش
دزدے عجیے برہنہ کردہ است مرا

ملا صاحب برہم ہوئے اور برہم ہونے کی بات ہی تھی کیوں کہ اسلام کی توہین نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی گئی۔ بلکہ خود ان کے وجود اسلام عبارت کی سخت اہانت ہوئی یعنی ان کا اسم سامی ابلیس لعین کا وصف قرار پایا۔ بہرکیف اُنھوں نے عالمگیر سے آ کر کہا کہ کفر کا کافی مواد ہاتھ آ گیا ہے اور قلمدان کھولنا چاہا کہ علماے ظاہر کی تیغ خون آشام اسی نیام میں رہتی ہے۔ لیکن عالمگیر کی عاقبت اندیشیوں نے صرف اس بہانے کو کافی نہ سمجھا۔ وہ خوب سمجھتا تھا کہ سرمد کوئی معمولی شخص نہیں ہے، جس کا قتل ایک عامہ الورود واقعہ سمجھا جائے گا۔ علم و فضل کے لحاظ سے کوئی اس کا ہمتا نہیں، اور رجوع خلایق کا یہ حال ہے کہ سارا شاہجہاں آباد اس کا معتقد اور ہوا خواہ ہے۔ اس لیے جب تک کوئی بہانہ قوی ہاتھ نہ آئے اس ارادے کو ملتوی رکھنا چاہیے۔

اسلام کے اس تیرہ سو برس کے عرصے میں فقہا کا قلم ہمیشہ تیغِ بے نیام رہا ہے، اور ہزاروں حق پرستوں کا خون ان کے فتوؤں کا دامن گیر ہے۔ اسلام کی تاریخ کو کہیں سے پڑھو۔ سینکڑوں مثالیں کہتی ہیں کہ جب بادشاہ خونریزی پر آتا تھا تو دارالافتا کا قلم اور سپہ سالار کی تیغ دونوں یکساں طور پر کام دیتے تھے، صوفیہ اور اربابِ باطن پر منحصر نہیں، علمائے شریعت میں سے بھی جو نکتہ بین اسرار حقیقت کے قریب ہوئے، فقہا کے ہاتھوں انھیں مصیبتیں اُٹھانی پڑیں، اور بالآخر سر دے کر نجات پائی۔ سرمد بھی اسی تیغ کا شہید ہے۔

چوں می رود نظیری خونیں کفن بحشر
خلقے فغاں کنند کہ ایں دادخواہ کیست

آخر الامر یہ قرار پایا کہ سرمد کو علما و فضلاے عصر کے مجمع میں طلب کیا جائے، اور تمام علماء کی جو رائے قائم ہو، اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ چنانچہ مجلس منعقد ہوئی اور سرمد کو بلایا گیا۔ سب سے پہلے خود عالمگیر مخاطب ہوا، اور پوچھا لوگ کہتے ہیں کہ سرمد نے داراشکوہ کو مژدہ سلطنت دیا تھا۔ کیا یہ سچ ہے؟ سرمد نے کہا کہ ہاں اور وہ مژدہ درست نکلا کہ اسے ابدی سلطنت کی تاجپوشی نصیب ہوئی۔ عمامہ بندوں نے کہا، کہ برہنگی شرع کے خلاف ہے، اور اس کے لیے صاحبِ عقل و تمیز کا کوئی عذر مسموع نہیں، اس کا جواب تو سرمد پہلے دے چکا تھا۔

دزدے عجیبے برہنہ کردہ است مرا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خلیفہ ابراہیم بدخشانی اواخر عہدِ عالمگیری میں ایک صاحبِ طریقت بزرگ گزرے ہیں جو ابتدائے جوانی میں سپاہی پیشہ تھے اور فتح اللہ خان کے ہاں کہ امرائے عالم گیری میں سے تھا، نوکر ہو گئے تھے۔ اتفاقاً میر جمال الدین بدخشانی ثانی ایک صاحبِ حال بزرگ کی اُن پر نظر پڑ گئی اور اُن کو فیض پذیر دیکھ کر اپنی اپنی تربیت میں لے لیا۔ رفتہ رفتہ یہ خود بھی صاحبِ حال ہو گئے۔ علمِ ظاہری کی تحصیل کا موقع نہ ملا لیکن مذاق فطری کا یہ حال تھا کہ مثنوی معنوی کا دفتر ہفتم چار حصوں میں نظم کیا جو درد و کیفیت سے لبریز ہے۔ معز الدین جہاندار شاہ کو ان کی خدمت میں کمالِ اعتقاد تھا اور ہندوستان و دکن میں ہزاروں اشخاص ان کے معتقد و حلقہ بگوش تھے۔

والہ داغستانی انھی بزرگ سے روایت کرتا ہے کہ جب مجمع علماء میں سرمد کو لباس پہننے کے لیے کہا گیا اور مسموع نہ ہوا تو بادشاہ نے علماء سے کہا کہ محض برہنگی وجہ قتل نہیں ہو سکتی۔ اس سے کہا جائے کہ کلمۂ طیبہ پڑھے، اور یہ اس لیے کہا کہ بادشاہ سن چکا تھا کہ سرمد کی عاداتِ عجیبہ میں سے ایک یہ عادت بھی ہے کہ کلمۂ طیبہ جب پڑھتا ہے تو لا الٰہ سے زیادہ نہیں کہتا۔ علما نے سرمد سے کلمہ پڑھنے کی خواہش کی تو اپنی عادت کے بموجب صرف لَا اِلٰہَ پڑھا کہ جملہ نفی ہے۔ اس پر علماء نے شور مچایا۔ تو کہا ''ابھی تک میں نفی میں مستغرق ہوں، مرتبہ اثبات تک نہیں پہنچا۔ اگر اِلّا اللّٰہ کہوں گا تو جھوٹ ہوگا۔ اور جو دل میں نہ ہو وہ زبان پر کیسے آئے؟'' علما نے کہا ایسا کہنا کفرِ صریح ہے، اگر توبہ نہ کرے تو مستحق قتل ہے، یہ ظاہر پرست نہیں جانتے تھے کہ سرمد اس سے بہت اونچا ہے کہ کفر و ایمان کی بحثیں سنائی جائیں، وہ قتل و خون کے احکام سے مرعوب ہو۔ یہ کفر ساز تو اپنے مدرسہ و مسجد کے صحن میں کھڑے ہو کر سوچتے تھے کہ اس کی کرسی کتنی اونچی ہے، اور وہ اس منارۂ عشق پر تھا جہاں کعبہ اور مندر بالمقابل نظر آتے ہیں، اور جہاں کفر و ایمان کے علم ایک ساتھ لہراتے ہیں۔

کشورے ہست کہ درو ے رود از کفر سخن
ہمہ جا گفت و شنو بر سر ایماں نہ رود

سرمد نے تو اپنی حالت، بے کم و کاست بیان کر دی تھی، ایمان بالغیب پر جو لوگ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قانع نہیں ہوتے۔ اس عدم قناعت ہی کا نام تلاشِ حقیقت ہے اور وہ اپنے اقرار کو مشاہدۂ عینی سے استوار کرنا چاہتے ہیں اور شاہدِ حقیقت کی رونمائی نقد شہادت ہے جو ابھی سرمد کو نصیب نہیں ہوئی تھی۔ پس جس چیز کو دیکھا نہ تھا۔ کیوں کر کہتا کہ ''ہے''۔ اس ملک کے جتنے رہرو ہیں، سب ہی کو اس منزل سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ لیکن سرمد کا جرم یہ تھا کہ وہ جس جام کو چھپ کر پیتے ہیں، سرمد نے علانیہ منہ سے لگایا اور دُرّۂ محتسب کا مستحق ٹھہرا:

خرقہ پوشاں ہمہ گرمست گزشتند گزشت
قصہ ماہست کہ در کوچہ و بازار بماند

اور نظرِ تعمق سے دیکھیے تو یہ اعلان ضروری تھا، کیوں کہ جب اس سفر کی آخری منزل شہادت تھی تو خواہ ناقہ کا رُخ کسی طرف ہوتا دست کارفرما کا فرض تھا کہ اس طرف پھیر دے۔

منصور را کہ رخصتِ اظہار دادہ اند
غیر از قصاص و محنت زنداں نبودہ شرط

غرض کہ جب سرمد نے توبہ نہ کی تو علماء نے بلا تامل فتویٰ صادر کیا اور دوسرے دن قتل گاہ میں لے گئے۔ بموجب بیانِ ''مرأۃ الخیال''۔ یہ واقعہ ۱۰۷۲ھ میں ہوا کہ عالم گیر کی تخت نشینی کو تین سال سے زیادہ زمانہ نہ گزرا تھا۔

مو بمویم دوست شد ترسم کہ استیلاے عشق
یک انا الحق گوے دیگر برسردار آورد

شاہ اسد اللہ نامی ایک مرد درویش وحق آگاہ راوی ہیں: ''مجھے سرمد کی خدمت میں کمالِ خصوصیت حاصل تھی، جب شورش و ہنگامہ شروع ہوا، تو مجھ سے نہ رہا گیا۔ ایک دن موقع پا کر عرض کیا کہ ''اگر اپنی وضع وحالت بدل دیں تو بندگانِ الٰہی کی منت وسماجت دیکھتے ہوئے بہ ظاہر کوئی نقصان نہیں۔ یہ سن کر نظر اُٹھائی اور اپنا یہ شعر پڑھ دیا:

عمریست کہ آوازۂ منصور کہن شد
من از سرِ نو جلوہ دہم دار و رسن را

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب سرمد کو شہادت گاہ لے چلے تو تمام شہر ٹوٹ پڑا، اور اس قدر ہجوم تھا کہ راستہ چلنا دشوار ہو گیا تھا۔ عشق کی نیرنگیوں کو کیا کہیے جہاں کا عام پسند تماشا خوں ریزی ہے، جہاں قربانی سے بڑھ کر کوئی دل پسند کھیل نہیں۔ جب کوئی سَر دادہ سربکف بڑھتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ دولہا کی سواری جا رہی ہے اور براتیوں کا ہجوم ہے کہ شانے سے شانہ چھلتا ہے۔

بجرم عشق توام می کشند وغوغائیست
تو نیز بر سر بام آ کہ خوش تماشائیست

مگر یہ عشق مجازی تھا کہ سر بام آنے کی خواہش کی گئی ورنہ سرمد کو تو سر اُٹھانے کی بھی ضرورت نہ ہوئی، جب جلاد تلوار چمکاتا ہوا آگے بڑھا تو مسکرا کر نظر ملائی اور کہا:-

''فدائے تو شوم بیا بیا کہ تو بہر صورتے کہ می آئی من ترا خوب می شناسم''

صاحبِ مرأۃ الخیال راوی ہے کہ اس جملے کے بعد یہ شعر پڑھا، اور مردانہ وار سر تلوار کے نیچے رکھ کر جان دے دی۔

شورے شد و از خوابِ عدم چشم کشودیم
دیدیم کہ باقیست شبِ فتنہ غنودیم

صاحبِ مرأۃ الخیال کو عالمگیر کی خوشامد سے اتنی فرصت کہاں تھی کہ سرمد کی نعش خون آلود پر اشک افشانی کرتا لیکن ستم یہ ہے کہ اس سنگین دلی پر قانع نہ ہو کر چاہتا ہے کہ کسی طرح یہ خوں ریزی بھی عالمگیر کے دفتر مناقب وفضائل میں جگہ پائے۔ حالاں کہ اس دفتر میں تو پہلے ہی سے ہر صفحہ رنگین ہے، اس کو بھی عشق کی شیوہ گری سمجھئے کہ یہاں کی قربانیوں سے جن کے ہاتھ خون آلود ہوتے ہیں وہ مجرم وخونی ہونے کی جگہ تحسین وثواب کا صلہ مانگتے ہیں۔ گویا میدانِ عشق بھی قربان گاہِ منیٰ ہے کہ جس قدر بھی خون بہائیے عین ثواب ہے۔

یہ عجیب رسم دیکھی کہ بروز عید قربان
وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب اُلٹا

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سرمد کی جہاں قبر سمجھی جاتی ہے، یہ اس کا مدفن نہیں صرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مشہد ہے۔ لیکن والہ داغستانی نے تصریح کر دی ہے کہ: ''در جنب مسجد جامع گردن او را زدند و درہمانجا دفن کردند'' یہ مقام موجودہ مزار کے سوا اور کون ہوسکتا ہے؟ پھر لکھتے ہیں کہ ''راقم الحروف زیارتِ مزار وے مکرر مشرف شدہ ام در چہار فصل سبزہ از تربتش کم نمی شود والحق فیض عجیبے در زیارت آن منصور ثانی است۔''

والہ داغستانی عہد محمد شاہی میں تھا، اور اس کے تذکرے کا سال تصنیف ۱۱۶۰ھ ہے۔ لیکن آج بھی مشہد سرمد زیارت گاہِ عوام وخواص ہے، اور ہمیشہ فاتحہ کے ہاتھ اس کے آگے رو بہ آسماں رہتے ہیں:

برسر تربت حافظ چوں گذری ہمت خواہ
کہ زیارت گہ رندانِ جہاں خواہد بود

خلیفہ ابراہیم بدخشانی راوی ہیں کہ سرمد نے زندگی میں کلمۂ طیبہ لَا اِلٰہ سے زیادہ نہیں پڑھا۔ لیکن جب شہادت پائی تو لوگوں نے سنا کہ سرکشتہ سے تین بار لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہَ کی صدا بلند ہوئی۔ اس کے علاوہ والہ داغستانی لکھتے ہیں کہ: ''ایک ثقہ جماعت سے سنا گیا ہے کہ سرمد کا سَر مقتول کلمۂ طیبہ پڑھتا رہا۔ اور اتنا ہی نہیں بلکہ کچھ دیر مصروف حمد الٰہی بھی رہا۔'' موجودہ زمانے میں ایسی روایتوں پر لوگ بمشکل یقین لائیں گے اور سوانح نگار کا فرض ہے کہ خوش اعتقادی کی روایات اور تاریخ کو الگ الگ رکھے۔ لیکن ہمیں تو یہ بیان پڑھ کر کچھ بھی تعجب نہ ہوا۔ کیوں کہ اگر خوش اعتقادی کے کان نہیں ہیں تو کیا حقیقت بینی کی آنکھوں سے بھی محروم ہو جانا چاہیے؟ ہم نے بہار میں شگفتہ وشاداب پھولوں اور خزاں میں افسردہ وخشک شاخوں کو باتیں کرتے دیکھا ہے۔ پھر اگر ایک شہیدِ عشق کے سر مقتول کے لب ہلتے نظر آئیں تو کیوں تعجب ہو؟ ممکن ہے کہ سرمد کے بے جان سر سے آواز نکلی۔ مگر اربابِ بصیرت نے اس کی زبانِ حال کو ضرور متکلم دیکھا ہو، اور ڈھائی سو برس سے زیادہ گزر گئے۔ ہمارے کانوں میں تو اب تک مشہدِ سرمد سے صدا آ رہی ہے کہ:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کس چہ داند قدر مردن ہائے عشق
منتِ ایں مرگ بر جان من است

عالمگیر ۱۰۶۹ھ میں تخت نشین ہوا، اور تین سال کے بعد سرمد کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ اس کے بعد ایک قرن سے زیادہ عرصہ تک حکومت کی۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ

خونے کہ عشق ریزد ہرگز ہدر نباشد

یہ سرمد کے خون ہی کی نیرنگیاں تھیں کہ اس تمام مدت میں عالمگیر کو کبھی راحت و اطمینان کے دن نصیب نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ پیغامِ اجل بھی آیا تو عالمِ غربت و پریشانی میں۔ مگر سوانح نویس کے قلم سے ایسے جملے نہیں نکل سکتے۔ ہمارے لیے تو یہی بہتر ہے کہ ہو سکے تو عالمگیر کو بھی اس معاملے میں معذور سمجھیں۔ تاریخ قیاس وظنون اور شخصی آرا کے مجموعہ کا نام ہے۔ آج چند میلوں کے فاصلے پر ایک حادثہ گزرتا ہے تو اخباروں کے دو نامہ نگار متفق البیان نہیں ہوتے۔ کس کو معلوم ہے کہ اس وقت کی اصلی حالت کیا تھی، اور عالمگیر کے گرد و پیش کن حالات و اسباب کا ہجوم تھا؟ پھر یہ بھی ہے کہ خونِ رفتگانِ عشق جب اپنے قاتلوں سے گلہ مندِ جفا نہیں تو ہمیں کیا حق ہے کہ ان کی شکایت سے قلم آلودہ ہوں۔ جب سرمد نے جلاد سے کہا: ''تو بہر صورتے کہ می آئی من ترا خوب می شناسم'' تو اسے عالم گیر اور عالمگیری علماء سے کیا شکایت ہوگی؟ بات یہ ہے کہ دیارِ محبت میں انتقام و دعویٰ کی شنوائی نہیں۔ اور عشق کے مذہب میں کینہ و عداوت سے بڑھ کر کوئی شے حرام نہیں۔ یہاں سب سے بڑی عبادت یہ ہے کہ قاتل تیغ لے کر آئے تو سر جھکا دیجیے۔ اور ہو سکے تو اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیجیے۔

شد است سینہ ظہوری پُر از محبتِ یار
برائے کینۂ اغیار در دلم جا نیست

سرمد کے کلام کا ایک صحیح اور قلمی نسخہ میرے کتب خانہ میں موجود ہے مگر اس وقت پیشِ نظر نہیں۔ چند سطروں کا ارادہ تھا، مگر کئی صفحے ہو گئے اور عشق کی حکایت کب ختم ہونے والی ہے۔ اس لیے چاہتا ہوں کہ روحِ سرمد پر دستِ فاتحہ اُٹھا کا خاموش ہو جاؤں۔ آئندہ کبھی موقع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملا تو سرمد کا کلام پیش کروں گا۔ افسوس کہ یہ داستاں مختصر نہ ہوسکی، مگر شہیدانِ عشق کی محبت میں جتنی دیر افسردہ رہ سکے، بہتر ہے۔

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم
چنانکہ حرف عصا گفت موسی اندر طور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com